حضرت مولانا لطافت الرحمان صاحب
جامعہ اسلامیہ بہاولپور

فنِ بلاغت کی ایک مقبول صنعت
مبالغہ

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ ط اما بعد۔

عنوانِ بالا پر مضمون میں بناء بظاہر کوئی خاص افادیت اور جاذبیت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ عرفِ عام میں مبالغہ آرائی کے لئے کوئی ضابطہ و معیار اور حدود مقدار متعین نہیں ہے۔ پہاڑ کو رائی کا دانہ قرار دینا اور معمولی سی چیز کو کوہ ہمالیہ اور جبل نہاوند بنا دینا عام و خاص محاورات کا روزمرہ معمول ہے۔ اہل اللہ کیطرف سے بھی بطور مبالغہ پوری مملکت نیم روز کی قیمت نصف جو قرار دیکر نیم شب بیداری کی عظیم دولت کے مقابلہ میں ٹھکرایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

تا انگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب — من ملک نیم روز بہ یک جو نمے خرم

جس کے بالمقابل حافظ شیرازی نے نہایت ارزاں فروخت کرنے کا بھی ایک شاہکار قائم کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

پدرم جنتِ رضوان بدو گندم بفروخت — نا خلف باشم اگر من بہ جوے نہ فروشم

نیز متاعِ گراں کے متعلق مبالغہ کر کے حافظ کہتے ہیں ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

مگر میں صنعت مبالغہ پر اس مضمون میں اس کی ادبی علمی مختصر تشریح و توضیح کر کے تفصیلات و تمثیلات کے ذریعہ مضمون کو دلچسپ اور مفید بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ توفیق عطاء فرمائے ــــــــ

یہ تو ظاہر ہے کہ مبالغہ ایک خلاف واقع بات ہے، جس کو حقیقت اور واقعیت سے دور کا سروکار نہیں ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ نہ تو مبالغہ کرنے والا اپنی اس بات کو مبنی برحقیقت

باور کرانے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی سامع کو اسی طرح کے شک و اشتباہ کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مبالغہ کو کذب کی طرح کلی طور پر قبیح اور مردود قرار نہیں دیا جاتا بلکہ بعض مواقع میں مبالغہ کرنے سے مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور اس طرح کلام میں اسکی اہمیت اور ضرورت نمایاں ہو جاتی ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "خیر الکلام ما بولغ فیہ" مبالغہ کی طرح کذب بھی خلاف واقع بیان ہے لیکن اس میں کہنے والا سامع کو باور کرانے اور اپنی جھوٹی بات کو رواج دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس وجہ سے مبالغہ اور کذب میں کوئی اشتراک اور اشتباہ نہیں بلکہ کلام بلیغ میں مبالغہ کو بہت اہمیت حاصل ہے اور جھوٹ بہر حال جھوٹ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ چند مقررہ حدود و خطوط کے تحت مبالغہ فصیح و بلیغ اور بلند و برتر کلام کا ایک اہم تر شعبہ قرار پا گیا ہے جو اپنے مواقع استعمال میں نہایت مستحسن اور مقبول ہے۔ تمام اقوام عالم کے خطباء اور دانشور اپنے اپنے طور پر اس کا استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ پھر مبالغہ کبھی سادہ کلام بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ مبالغہ کرنے والا قسم کھا کر اپنے مبالغہ کو نہایت پختہ اور مؤکد کر لیتا ہے مثلاً متنبی کا قول ہے ؎

واللہ ما علم امرؤ لولاکم   کیف السخاء وکیف ضرب الہام

سیف الدولہ کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ خدا کی قسم کہ اگر تم لوگ نہ ہوتے تو لوگ سخاوت کرنے اور دشمنوں کی کھوپڑیاں مارنے کا کام ہی نہ جانتے۔

قرآن اور مبالغہ | غیر انسانی کلام میں مبالغے کا استعمال تو کوئی خاص بات نہیں جبکہ قرآن کریم نے بھی اپنے معجز اور بلیغ تر اور بلند انداز میں مبالغوں کا استعمال فرمایا ہے، جن میں سے بعض کا ذکر اس مضمون میں ہونے والا ہے اور جن میں سے یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار کا مبالغہ علماء بلاغت کیلئے مبالغہ کی تفصیل و توضیح اور تشریح کے اس مضمون لکھنے کا باعث بنا ہے۔ اب جبکہ مبالغہ بھی کلام میں دیگر محسنات معنویہ کی طرح ایک محسن معنوی اور صنعت معقولہ مستحسنہ ہے یا بالفاظ دیگر قبولیت کلام اور معقولیت معنیٰ کا ایک دلکش اور مؤثر طرز و طریق مبالغہ بھی ہے۔ بناء برآں صنعت مبالغہ کی تحقیق و تنقیح اور قبول و رد کا ضابطہ ان علماء بلاغت سے معلوم کیا جا سکتا ہے جن کا کام ہی معانی و بیان کے اصول و ضوابط کے علاوہ محسنات معنویہ لفظیہ کے فن بدیع کو بھی بیان کرنا ہے ——— چنانچہ

تلخیص المعانی کی عبارت ہے: ومنها ای من المحسنات المعنویۃ المبالغۃ المقبولہ"
آگے چل کر کہتے ہیں کہ مبالغہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی وصف کو شدت یا ضعف میں اس انداز پر پہنچنے کا دعویٰ کیا جائے جو حقیقت کے لحاظ سے یا تو ناممکن ہو یا کم ازکم بعید ہو۔
پھر تین قسموں کیطرف اسکی تقسیم کر کے مقبول اور مردود ہونے کی حیثیت سے ہر ایک کی حسب ذیل تشریح کرتے ہیں۔

۱۔ تبلیغ | یہ مبالغہ کی وہ صورت ہے جس میں عقل وعادت دونوں کے اعتبار سے ممکن اور واقع ہونے والے کام کا دعویٰ کیا گیا ہو۔ مثلاً امرأ القیس اپنے گھوڑے کی توصیف میں کہتا ہے۔ کہ اس کو پسینہ نہیں آتا ہے، چاہے اسکو کتنا ہی تیز اور مختلف سمتوں میں مسلسل کیوں نہ دوڑایا جائے اس کا شعر یہ ہے ؎

فعادیٰ عداءً بین ثورٍ ونعجۃٍ   دراکاً ولم ینضح بماءٍ فیغسل

یعنی وہ گھوڑا شکار کرنے کی خاطر صحرائی بیل اور گائے کے پیچھے پیہم دوڑتا رہا اور اس کو پسینہ تک نہیں آیا تاکہ نہلانے کی ضرورت ہو۔

۲۔ اغراق | یہ مبالغہ کی وہ شکل ہے کہ جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ عقلاً تو ممکن کام ہے۔ لیکن عادۃً نہیں مثلاً عمرو بن ایہم تغلبی کہتا ہے ؎

ونکرم جارنا مادام فینا   ونتبعہ الکرامۃ حیث مالا

یعنی ہمارا جار اور پناہ گیر جب تک ہم میں ہوتا ہے تب تک تو ہماری طرف سے اس کا اکرام اور انعام جاری رہتا ہے مگر جب وہ کہیں چلا بھی جاتا ہے تو بھی ہمارا اکرام اس کا پیچھا کرتا ہے۔

۳۔ غلو | مبالغہ کی یہ تیسری قسم مردود اور قبیح ہے جس کا نام غلو ہے، گویا اس میں مبالغہ کی جائز سرحدوں سے تجاوز اور نامناسب حدود میں غلو کا ارتکاب کیا گیا ہے، غلو کی مثال میں صاحب تلخیص نے ابونواس کا یہ شعر لایا ہے۔ جو ہارون الرشید کی تعریف و توصیف میں مبالغہ کر کے کہتا ہے ؎

واخفت اہل الشرک حتی انہ   لتخافک النطف التی لم تخلق

یعنی آپ نے مشرکین کو اس قدر ڈرایا ہے کہ وہ نطفے بھی آپ سے ڈرتے ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں۔

اس کے بعد علماء بلاغت نے مبالغہ کی اس قسم (غلو) کے مستحسن اور مقبول ہونے کے بھی چند ضابطے بیان کئے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر اس غلو ہی کی صورت میں ایسا لفظ لایا جائے جو صحت و امکان کیطرف اس امر کو قریب لاتا ہو جس کا دعویٰ کیا گیا ہے تو اس وقت یہ غلو مقبول مبالغہ بن جاتا ہے۔ مثلاً سورۂ نور کی آیت کریمہ، اللہ نور السماوات والارض الآیہ کے آخر میں ہے: یکاد زیتها یضیئ ولولم تمسسه نار ۔ یعنی اس درخت کا تیل اس قدر صاف اور تیزی اور جلدی سے سلگنے والا ہے کہ اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خود جل اُٹھے گا۔

اس آیت میں بلند و بالا اور بلیغ و مستحسن مبالغہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انوار و تجلیات کا خاکہ عجیب و غریب نہج پر کھینچا ہے۔ اور اس میں نور اور روشنی کے مزے اور خاص فطری پس منظر کا بیان غایت درجہ خوبی سے فرمایا ہے۔ کہ وہ روشنی اس چراغ کی ہو جو نہایت صاف اور شفاف تیل سے روشن ہو رہا ہو۔ پھر جس زیتون کے درخت سے وہ تیل حاصل کیا گیا ہو وہ اس مطلوبہ مقصد میں اس حد تک کامیاب ہو کہ اگر اس کو آگ نہ بھی پہنچے تب بھی وہ سلگنے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔

بہرصورت آیت میں حد درجہ مبالغہ عمل میں لایا گیا ہے، لیکن لفظ "یکاد" کے بڑھنے سے اس کو معقول مقبول بلیغ اور دلکش بنا دیا گیا ہے۔ آیت بالا میں مبالغہ کے علاوہ زیادہ تر تیز اور صاف روشنی کیلئے روغن زیتون اور درخت زیتون کی مطلوبہ کیفیات اور حالات بیان فرمانے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی سبق دیا ہے کہ قرآن معلم فطرت ہے۔ اور تعلیمات قرآن انسان کو فطری اور جبلی کامیاب اور اصلاح شدہ راہوں پر لگاکر اس کی اصلاح و تعمیر کرتا ہے۔

۲۔ غلو کی مقبولیت کی دوسری صورت یہ ہے کہ مبالغہ کو کسی حسین تخیل کا حامل بنا دیا جائے مثلاً متنبی کہتا ہے ؎

عقدت سنابکها علیها عثیرا   لو تبتغی عنقا علیه لامکنا

یعنی بدر بن عمار کے گھوڑوں کے کھروں نے ان کے اوپر گرد و غبار کی اس قدر دبیز تہ بنا دی ہے کہ اگر وہ گھوڑے اس پر چڑھ کر دوڑنا چاہیں تو دوڑ سکتے ہیں۔

یہاں پر متنبی کے جس تخیل نے غلو کو مقبول بنا دیا ہے وہ واضح اور فی نفسہ عمدہ اور لطیف ہے۔ لیکن اس موقع پر نظامی نے سکندر نامہ بحری میں اس تخیل کو جس انداز میں

بیان کیا ہے اس میں مبالغہ زیادہ بھی ہے اور مستحکم بھی جس میں وہ میدانِ جنگ میں گھوڑوں کے پیروں سے اٹھے ہوئے غبار کو آٹھواں مستقل آسمان قرار دیتا ہے۔ جب کہ اس صورت میں زمینوں کا شمار سات کی بجائے چھ رہ جاتا ہے۔ نظامی کا شعر یہ ہے ؎

ز سم ستوراں دراں پہن دشت زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

یعنی اُس وسیع دشت و بیاباں میں گھوڑوں کے کھروں سے اڑنے والے غبار نے آٹھویں آسمان کی صورت اختیار کی اور زمینیں چھ رہ گئیں۔

۳۔ غلو معقول کی تیسری شکل وہ ہے جس میں مذکورہ بالا دونوں باتوں کو جمع کیا گیا ہو۔ مثلاً قاضی ارجانی نے رات کے طویل تر ہونے کا نقشہ کھینچ کر کہا ہے ؎

یخیل لی ان سمّر الشھب فی الدجی وشدّت باھدابی الیھن اجفانی

یعنی میرے خیال میں اندھیری رات کے ستاروں میں میخ گاڑ دئے گئے ہیں اور ان کے ساتھ میری پلکوں اور آبروؤں کے بالوں کو باندھا گیا ہے جس کی وجہ سے کوئی ستارہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا ہے اور اس طرح رات کٹنا نہیں پاتی ہے۔

۴۔ غلو کی چوتھی معقول قسم وہ ہے جس کا پس منظر ہی خوش طبعی اور مذاق ہو مثلاً شاعر شراب کے زیادہ تر نشہ آور ہونے اور خود کو نشوں سے حد درجہ وابستگی میں مبالغہ کر کے کہتا ہے ؎

اسکر بالامس ان عزمت علی الشرب غداً ان ذا من العجب

یعنی تعجب ہے کہ جب میں آئندہ کل کو شراب پینے کا قصد کرتا ہوں تو آج ہی سے نشہ چڑھ جاتا ہے۔ گویا بالفعل شراب پینے سے قبل ہی اس کا تصوّر مجھ میں نشے کا کام کرتا ہے

چند تمثیلات | اب میں حسب وعدہ مبالغہ کے چند دلچسپ نمونے ذکر کرتا ہوں جن میں اصل مبالغہ کے علاوہ متعلقہ شاعر کا بلند اور لطیف و ظریف قسم کا تخیل بھی کارفرما ہو۔ مثلاً قاضی ابوبکر باقلانی نے اعجاز القرآن میں بحتری کا شعر نقل کیا ہے۔ جس میں شاعر خطابت و بیان کی عمدگی اور جذب و کشش کے سلسلہ میں "بنا بر ظاہر" مبالغہ کر کے کہتا ہے

ولوان مشتاقاً تکلف فوق ما فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر کوئی شوقمند اپنی وسعت و طاقت سے بڑھ کر کوئی زحمت اٹھا سکتا ہوتا تو شدت شوق کی وجہ سے وہ سٹیج اور ممبر تمہاری طرف چل پڑتی جس پر تم خطبہ دینے والے ہو

میں نے اوپر "بنا ر بہ ظاہر" کا لفظ اس وجہ سے بڑھا دیا ہے کہ یہاں وقوع لا وقوع کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ شعر ایک قضیہ شرطیہ صادقہ کے قالب میں ہے، جس کا مدار صدق علماء منطق اور مذہب تحقیق کی بنا پر وجود ملازمہ بین المقدم والتالی پر ہے جو یہاں حقیقۃً نہیں ادعاءً موجود ہے، جس طرح کہ "ان کان زید حمارا فھو ناھق" ۔ بھی قضیہ شرطیہ صادقہ ہے۔ جس میں ملازمہ حقیقۃً درست ہے۔ کیونکہ بنا ر بہ تقدیر کون زید حمار۔ اس کا ناھق ہونا ضروری ہے ــــــ

اسی طرح شراب کے زیادہ تر نشہ آور ہونے اور پینے والے کا اس سے غناء و سرود پر مجبور ہو جانے میں شاعر مبالغہ کر کے کہتا ہے ؎

سقونی وقالوا لا تغنّ ولو سقوا　　جبال سراۃ ما سُقیت لغنّت

یعنی دوستوں نے مجھے شراب پلا کر کہا کہ تم غناء اور سرود نہ کرو حالانکہ اگر یہ لوگ اونچے پہاڑوں کو وہ شراب پلا دیتے جو مجھے پلا دی گئی ہے تو وہ پہاڑ بھی گانے لگ جاتے۔

اس شعر میں یہ ملازمہ بھی تقریباً اسطرح ہے جسطرح آیت کریمہ: لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا ہے۔

یہاں بھی میں نے تقریباً کا لفظ اس وجہ سے کہا کہ شعر کا ملازمہ تو وہی منطقی ہے لیکن آیت کریمہ میں جو شرط و تعلیق ہے اس کا تو حقیقۃً تحقق ہو گیا ہے اور ہو جاتا ہے۔ ابھی ابھی کوئٹہ میں کوئلہ کی کان کی خبر اخبارات میں تازہ تازہ شائع ہو گئی ہے۔

درد و کرب کی شدت کیلئے متنبی نے وہ مبالغہ بھی اچھا کیا ہے جو کہتا ہے ؎

یجد الحمام ولو کوجدی لانبری　　شجر الاراک مع الحمام ینوح

یعنی کبوتر غمگین ہو کر روتا ہے۔ لیکن اگر اس کا غم میرے رنج و غم کیطرح سخت ہوتا تو اس کے ساتھ درخت کیکر کی وہ شاخ بھی رونا لگ جاتی جس پر وہ بیٹھ کر روتا ہے۔

مبالغہ کی ایک بلند مثال وہ بھی ہے جس کو محب اللہ افندی نے شرح شواہد الکشاف میں نقل کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

اذا مضر الحمراء کانت ارومتی　　وقام بنصری حازم وابن حازم

عطست بالنف شامخ وتناولت　　یدای الثریا قاعدا غیر قائم

یعنی اندریں حالات جب کہ خوبصورت اور سرخ رنگ والے بنو مضر میرا خاندان ہے۔ اور اور اس کا بیٹا میری امداد کیلئے موجود ہیں تو میں نہایت مغرورانہ انداز میں چھینکا کرتا ہوں اور بیٹھے ہوئے میرے ہاتھ کہکشاں ستاروں تک پہنچتے ہیں۔ کہکشاں ستاروں اور سطح زمین کے درمیان کا فاصلہ جو بھی کچھ ہے وہ ظاہر ہے۔ بہرحال مبالغات کا سلسلہ لامحدود ہے حماسی شاعر کہتا ہے ؎

هل الوجد الا ان قلبي لو دنى   من الجمر قيد الرمح لاحترق الجمر

یعنی درد و غم یہی تو ہے کہ میرا غمزدہ اور گرم تر دل اگر آگ کے چنگاروں کو ایک نیزہ برابر قریب ہو جائے تو اس کی سخت ترین حرارت سے چنگارے جلنے لگیں گے۔

اس شعر میں جو چنگاروں کے جلنے کا تصور ہے اس میں کوئی تبعد نہیں ہے بلکہ کسی شدید حرارت کے پہنچنے سے خود آگ کا جلنا ایک بلند محاورہ ہے، علامہ نیساپوری نے اپنی تفسیر غرائب القرآن میں یہ شعر نقل کیا ہے ؎

اصبر على مضض الزمان فان صبرك قاتله

النار تاكل نفسها اذ لم تجد ما تاكله

یعنی زمانہ کے شدائد پر صبر کرنے سے شدائد خود ہی مر جائیں گے کیونکہ آگ کو جب دوسرا ایندھن نہیں ملتا ہے تو وہ خود کو جلا ڈالتی ہے۔

اسی طرح متنبی، ابوایوب احمد بن عمران کی شہسواری کی مدح سرائی میں نہایت مبالغہ کر کے کہتا ہے ؎

لو مر يركض في سطور كتابه   احصى بحافر مهره ميماتها

یعنی اگر یہ ممدوح گھوڑے کا کم سن بچہ بھی خط کی سطروں پر دوڑانے لگے گا تو اس کے کھروں کے ذریعہ اس خط میں تمام واقع شدہ میموں کو گن لے گا جو کھروں کے ہم شکل ہیں نیز متنبی نے اپنی نقاہت اور زیادہ تر لاغر اور دبلا ہونے میں جو مبالغہ کیا ہے وہ مشہور ہے جو کہتا ہے ؎

ولو قلم القيت في شق رأسه   من السقم ما غيرت من خط كاتب

یعنی اگر مجھے قلم کے شگاف میں رکھا گیا تو میرے نہایت درجہ دبلا پتلا ہونے کی وجہ سے کاتب کے خط میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوگا۔ جبکہ وہاں بال کا اٹک جانا ہی خط پر اثر انداز ہوتا ہے۔

قوم کی ہجو و مذمت میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ بنا بر نقل ابن خلدون اس کو اہجی بیت فی العربیۃ - قرار دیا گیا ہے۔ شعر یہ ہے ؎

قوم اذا استنبح الاضیاف کلبہم قالوا لامہم بولی علی النار

یعنی یہ لوگ ایسی قوم ہے کہ جب مہمانوں کے آنے پر ان کا کتا بھونکنے لگتا ہے تو یہ لوگ اپنی ماں سے کہتے ہیں کہ چولہے میں جو آگ ہے اس پر پیشاب کرو۔ غرض یہ ہوتا ہے کہ مہمانوں کو پتہ نہ چلے کہ اس گھر میں آگ جلی ہے اور کچھ پک گیا ہے۔ یا کم از کم مہمان آگ دیکھ کر نہ آئیں۔

یہاں بخل و کنجوسی کی بابت ایک عجیب و غریب مبالغہ وہ بھی ہے۔ جس کو محب اللہ افندی نے شرح شواہد الکشاف میں نقل کیا ہے جب کہ زمخشری نے اس کو آیت کریمہ قل لو انتم تملکون خزائن رحمۃ ربی اذاً لامسکتم خشیۃ الانفاق - کی ذیل میں ذکر کیا ہے وہ مبالغہ دو شعروں میں ہے جس کی بابت افندی کہتا ہے: وان شئت فوازن بقول الشاعر ؎

ولو ان دارک انبتت لک ارضہا ابرًا یضیق بہا فضاء المنزل

واتاک یوسف یستعیرک ابرۃ لیخیط قد قمیصہ لم تفعل

یہ مبالغہ نہایت عمدہ اور فکر انگیز اس وجہ سے ہے کہ یوں تو بخل و کنجوسی کی مثالیں کچھ کم نہیں ہیں۔ حافظ نے تو کتاب البخلاء لکھ کر بخلاء حضرات کے بلند کارناموں اور ان کے بیشمار دلچسپ حالات اور مکارم و عنایات کو بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے لیکن اس مثال میں جو تصنف و غرابت اور لذت و ندرت ہیں۔ میرے خیال میں اسکی نظیر نہیں تاہم اگر کسی کو اس سے بھی زیادہ تر مقام شیخ کا علم ہو تو ہوگا۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

بہرصورت شاعر اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ تم اس قدر کنجوس ہو کہ اگر تمہارے گھر کی زمین پر اس قدر سوئی اُگ گئیں کہ گھر کی فضاء ان کے لئے ناکافی ہوگی اور اس اثنا میں یوسف نامی شخص اپنی قمیص کا شگاف سینے کے لئے تمہارے پاس ایک سوئی عاریۃً مانگنے آیا تب بھی تم اس کو سوئی نہیں دو گے۔

لیجئے آخر میں ایک فارسی شعر میں ہجر و فراق کے سلسلہ میں ایک اونچا مبالغہ ملاحظہ فرمائیے ؎

فراقِ دوستاں دیدن نشانے باشد از دوزخ
معاذ اللہ غلط گفتم کہ دوزخ زاں نشاں باشد

■■